© rasailojaraid.com

وسطی پنجاب کے صوفی شعراء کے رچناوی کلام کا فکری وفنی کا جائزہ

ڈاکٹر الطاف حسین لنگڑیال
اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور

Rachnavi is a main and central accent of Punjabi language. Basically this oldest language of this region is extension of Harappa culture. Now a days, it is being used to speak by the natives of central punjab between Lahore and Multan and from Sargodha to Bahawalnagar Districts even in the state of Bikaner India. The above said area has rich traditions of Sufi poetry. This Article is a summary of arts and thoughts of the Rachnavi Sufi poets of Central Punjab. Especially the article is a critical review of Hazrat Sultan Bahoo and Sahibzada Haji Muhammad Safoori's poetry.

ا۔ رچناوی بولی کا تعارف:۔

ہڑپہ کے آثار قدیمہ کی کھدائی کے دوران وہاں سے ملنے والی تختیوں کے کیمیکل ٹیسٹ (DNA) سے ان کی عمر چھ ہزار سال، یعنی ۴ ہزار سال قبل مسیح متعین کی گئی ہے اوران پر لکھی گئی تحریروں کی ڈی کوڈنگ سے معلوم ہوا کہ یہ بنیادی طور پر وہی زبان ہے جو آج بھی اس خطے میں بولی جاتی ہے(۱)۔ وسطی پنجاب کے بڑے علاقے میں بولی جانے والی اس زبان کو آج بہت سے لوگ تاریخ سے ناواقفیت کی بنیاد پر ''جانگلی'' کہتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریز نے یہاں کے ڈانگ سوٹا بردار دیہاتیوں سے مسلسل ہزیمت اوراعلیٰ افسروں کی ہلاکتوں کے باعث ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو باغی اور جانگلی کہا(۲)۔ زمانہ قدیم سے یہ علاقہ بیرونی حملہ آوروں کی آماجگاہ رہا ہے، چنانچہ منڈا قبائل پر دراوڑوں کے حملوں، فتح اور پھر یہیں رچ بس جانے سے لے کر آریاؤں، عربوں، افغانوں، مغلوں اور انگریزوں تک مختلف اقوام اور ان کی زبانوں نے اس علاقے کی زبان کو لغوی وسعت سے ہمکنار کیا اور اس پر مستزاد یہ کہ دریائی حوالے، جنگل اور بار بیابان اور دیہاتیت وبدویت نے اس کے لسانی حسن اور فصاحت و بلاغت میں بے پناہ اضافہ کیا ہے۔ جو پنجاب کی کسی دوسری زبان یا بولی میں نظر نہیں آتی۔ کیونکہ یہ بات اصول کی حد تک مانی ہوئی ہے کہ دیہاتیت اور بدویت زبان کی وسعت اور فصاحت و بلاغت کا باعث ہوتی ہے۔ اصلی اور خالص زبان کے امین کہستانوں، صحراؤں اور جنگلوں اور دیہاتوں کے باسی ہوتے ہیں۔ (۳)

پنجاب کے اندر بولی جانے والی زبانوں یا بولیوں کو عام طور پر پنجابی کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ پنجابی بھی کچھ زیادہ قدیم نہیں ہے۔ آئین اکبری میں ہندوستان کے جو کل بارہ صوبے گنوائے گئے ہیں ان میں پنجاب نامی کوئی صوبہ نہیں ہے، البتہ ملتان اور لاہور کے نام بطور صوبہ موجود ہیں۔ تزک جہانگیری میں اس علاقے کے لیے لفظ پنجابہ یا پنجاب استعمال کیا گیا ہے جس کی نسبت سے بعد میں یہاں کی زبان کو پنجابی کہا گیا (۴)۔ اس سے قبل اس علاقے کی زبان کے کئی ایک نام تھے جیسے ہپت ہندو، ہسپت ہندو، سپت سندھو ہفت ہندوئی، ہندی، ہندوئی، پالی، اپ بھرنش وغیرہ (۵)۔ بہرحال موجودہ دور میں پنجاب کے مشرقی علاقوں میں بولی جانے والی زبان کو ماجھی پنجابی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور آج جب پنجابی زبان یا بولی کا نام لیا جاتا ہے تو ہر عام و خاص کا ذہن فوری طور پر اسی بولی کی طرف جاتا ہے گویا پنجابی دراصل ماجھی لہجے کو ہی مان لیا گیا ہے۔ دوسری بولی پوٹھوہاری ہے جو شمال میں پوٹھوہار کے علاقے میں بولی جاتی ہے۔ مغرب کے اضلاع میں ملتانی / سرائیکی بولی جاتی ہے۔ جبکہ وسطی پنجاب میں بولے جانے والے لہجے کو ماضی میں لہندا یا لہندے کی زبان (۶) شاہ پوری، راوی، چناب، جھنگ، نیلی (ستلج) یا دریاہ (بیاس) کی بولی کہا جاتا رہا ہے۔ انہی پانچ دریاؤں کی نسبت سے، جن کے دوآبوں اور ڈیلٹاؤں میں یہ زبان بولی جاتی ہے، اس کا جدید نام ''رچناوی'' ہے۔ (۷) یہ بولی آج بھی لاہور اور ملتان کے درمیان کے علاقے اور خوشاب و سرگودھا سے لیکر ضلع بہاولنگر کے اس پار ہندوستان کی ریاست بیکانیر تک بولی جاتی ہے۔

۲۔ شعراء کا تعارف:

(الف) حضرت سلطان باہو:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پنجاب کے صوفی شعراء میں حضرت سلطان باہوؒ کو ممتاز ترین مقام حاصل ہے۔ وہ ۱۰۳۹ھ/ ۱۶۳۱ء میں شاہجہان کے دور میں موضع اعوان، شورکوٹ ضلع جھنگ، کے اعوان خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بایزید محمد ایک صالح، شریعت کے پابند، حافظ قرآن، فقیہ اور سلطنت دہلی کے منصب دار اور جاگیردار تھے۔(۸) اپنے تعارف کے حوالے سے حضرت باہوؒ خود فرماتے ہیں:

سرّ اسرار ذات یا ھو فنا فی ھو فقیر باھوؒ

عرف اعوان ساکن قرب وجوار قلعہ شور(۹)

انہوں نے ظاہری علوم کا اکتساب باقاعدہ اور روایتی انداز میں نہیں کیا تھا۔ اپنے ایک شعر میں انہوں نے اس امر کی جانب یوں اشارہ کیا ہے کہ: ''اگرچہ میں ظاہری علوم سے محروم ہوں لیکن علم باطنی نے میری زندگی پاک کر دی ہے''۔(۱۰) تاہم یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ آپ ظاہری علوم سے قطعی بے بہرہ تھے۔ ان کی تصانیف کی طویل فہرست جو عربی، فارسی اور پنجابی زبانوں پر مشتمل ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں نہ صرف اپنے عہد کی علمی زبانوں پر عبور حاصل تھا بلکہ وہ مذہبی علوم سے فیض یاب بھی ہوئے تھے۔

دراصل انہوں نے اپنی والدہ راستی بی بی سے تمام ضروری علوم حاصل کیے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے اپنے والد سے بھی اکتسابِ علوم کیا ہو، کیونکہ ان کے والد بھی بلند پایہ عالم دین تھے، غیر روایتی طور پر علوم کے اکتساب کی مثالیں تاریخ اسلامی سے دیگر کئی اسلاف کی بھی دی جاسکتی ہیں۔(۱۱) جہاں تک باطنی علوم کے حصول کا تعلق ہے سلطان باہوؒ نے اس باب میں اوّل اوّل اپنی والدہ بی بی راستی سے اکتساب کیا۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی والدہ سے یہ درخواست بھی کی تھی کہ وہ انہیں اپنا مرید بنالیں۔ لیکن انہوں نے انکار کردیا اور بیٹے کو کسی اور کا مرید ہونے کا مشورہ دیا۔ اس پر سلطان باہوؒ مرشد کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ یہ تلاش انہیں شورکوٹ کے جنوب میں گڑھ بغداد نامی آبادی کی جانب لے گئی، جہاں سلسلۂ قادریہ کے ایک بزرگ شاہ حبیب اللہ قادریؒ(۱۲) مقیم تھے۔

حضرت شاہ حبیب گیلانی سید ہیں اور حضرت عبدالرزاق خلف الصدق حضرت غوث الاعظم محبوب شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ کی اولاد سے ہیں۔ آپ کے والد ماجد سید فتح اللہ بغداد شریف میں بڑے پائے کے بزرگ تھے۔ آپ کی ولادت بھی بغداد شریف میں ہوئی۔ بارہ برس کی عمر میں علوم متداولہ سے فارغ ہوکر چلہ کشی میں مشغول ہوئے۔ اس کے بعد حضرت غوث الاعظمؒ کی جانب سے ارشاد ہوا کہ تم ملک پنجاب میں سدھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نیں (سدھنائی، عبدالحکیم)' کے قریب جا کر سکونت اختیار کرو اور وہاں موضع بغداد آباد کرو۔ آپ نے یہاں پہنچ کر پھر بارہ برس عبادت اور چلہ کشی میں گزارے۔ موضع بغداد، دربار مغلیہ سے بطور جاگیر عطا ہوا۔ یہیں آپ کا مزار ہے۔

بہر طور سلطان باہوؒ، شاہ حبیبؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد شاہ حبیبؒ نے انہیں اپنے پیر سید عبدالرحمن (۱۳) سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔ سید عبد الرحمان قادری کے بارے میں جو معلومات دستیاب ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مغلیہ دارالحکومت میں رہتے تھے اور روایتی معنوں میں صوفی نہیں تھے۔ شاہی منصب دار تھے۔ اور بظاہر دنیاداری کی زندگی بسر کرتے تھے، لیکن درحقیقت روحانی ارتقاء کے اعلیٰ ترین مدارج تک پہنچے ہوئے تھے۔ وہ سید عبد القادر جیلانیؒ کی اولاد سے تھے۔ چنانچہ سید عبدالرحمٰن سے ملنے سلطان باہوؒ دہلی پہنچے۔ یہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت کا واقعہ ہے۔ چونکہ ان کا تعلق قادری مکتبہ فکر سے تھا اور وہ دارا شکوہ کے حوالے سے عالمگیری تشدد کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان باہوؒ کی دارالحکومت میں موجودگی کو شک و شبہ کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہوگا۔ ڈاکٹر لاجونتی رام کرشن لکھتی ہیں کہ عالمگیر ان کے بارے میں اطلاعات منگواتا رہتا تھا (۱۴)۔ قیام دہلی کے دوران حضرت باہوؒ کے خود شہنشاہ ہند یا اس کے اہل کاروں کے ساتھ تضادات پیدا ہوئے تھے۔ غالباً دہلی سے واپسی کا سبب بھی یہی تھا۔

علوم وفنون کی باقاعدہ عدم تحصیل کے باوجود تصنیف و تالیف سلطان باہوؒ کا مشغلہ تھا۔ یہ مشہور ہے کہ انہوں نے ایک سو چالیس کے قریب کتب لکھی تھیں۔ ان میں سے بہت سی زمانے کی خرد برد کی نذر ہو چکی ہیں۔ تاہم اب بھی ان کے بعض رسالے اور کتب دستیاب ہیں۔ یہ کتب عربی اور فارسی زبانوں میں لکھی گئی ہیں۔ جملہ دستیاب کتب کے اردو تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں سے اکثر چھوٹے چھوٹے رسالے ہیں۔ سلطان باہوؒ کے چند مخصوص موضوعات ہیں۔ حضرت باہوؒ کا مطالعہ فی الواقعہ ہماری دیہاتی دانش کا مطالعہ ہے۔

سلطان باہوؒ محکم الفقراء میں ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جو علم و ہنر کی وقعت کے قائل نہیں، لکھتے ہیں:

"علم اور عالم کا دشمن تین قسموں سے خالی نہیں ہوتا۔ کافر ہوتا ہے یا فاسق یا جاہل اور فقر کا دشمن بھی اسی طرح حاسد ہوتا ہے یا منافق یا کاذب غافل مردہ دل۔ جاہل تین قسم کا ہوتا ہے:

۱۔ جاہل کافر جو کلمۂ طیبہ نہ پڑھے۔

۲۔ وہ جاہل جو اللہ تعالیٰ کو ظاہر و باطن حاضر و ناظر نہ جانے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ وہ جاہل جو کمینی دنیا کا پرستار اور اپنی خودی میں مست ہو‘‘(۱۵)۔

اسی طرح محکم الفقراء خود ہی میں زندگی کے مادی لوازمات پر بحث کرتے ہوئے سلطان باہوؒ رقم طراز ہیں:

’’دنیا کا ذکر بالکل شیطانی بات ہے۔ نفس شیطانی ہے اور دنیا لٹیری۔ روپیہ پیسہ سے دوستی وہی رکھتا ہے جو خدا کا دشمن ہو۔ دنیا سراسر شرک ہے اور ریا کار لوگ کفر و غرور میں ہیں۔ دنیا دار آدمی مفلس ہے۔ دنیا کا مکان بخیل کا گھر ہے۔ جو شخص ایماندار رہ کر مرا وہ اپنے ساتھ سو خزانے لے گیا اور جو بے ایمان ہو کر دنیا سے گیا وہ ناداروں میں مرا۔ وہ زبان سے دنیا پکارتا ہوا سو گناہ لے گیا۔ عارفوں کے لیے دنیا کو ترک کرنا ہی عزت و مرتبے کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ﴾ (کہہ دیجئے کہ دنیا کا سرمایہ قلیل ہے)‘‘۔ پس دنیا کی اصل خون حیض ہے۔ دنیا کا طالب وہی ہوتا ہے جو ولد الزنا اور ولد الحیض ہو یعنی بالکل حرامی۔ حرام کی طلب میں لگا ہو‘‘(۱۶)۔

یہی مضمون ان کی رچناوی سی حرفی کے اس بند سے یوں مترشح ہے:

ایہہ دنیا زن حیض پلیتی ،ہرگز پاک نہ تھیوے ہو
جیں فقر ،گھر دنیا ہووے،لعنت اس دے جیوے ہو
حب دنیا دی رب تھیں موڑے،ویلے فکر کچھوے ہو
سہ طلاق دنیا نوں دیئیے،جے باہو سچ پچھیوے ہو(۱۷)

وہ فلسفیانہ موشگافیوں سے گریز کرتے ہیں۔ سیدھی سادی باتیں خطیبوں جیسے انداز میں کہے چلے جاتے ہیں۔ نثری نگارشات کے علاوہ دو شعری مجموعے بھی سلطان باہوؒ سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ ایک مجموعہ فارسی زبان میں ہے اور دوسرا رچناوی میں۔ سلطان باہوؒ کی موجودہ شہرت کا انحصار ان کی رچناوی شاعری پر ہے۔ اسی نے انہیں حیات جاوداں عطا کی ہے۔ حالانکہ وہ اپنی اس شاعری کو درخور اعتناء تصور نہیں کرتے تھے۔ اور مرزا غالب اور علامہ اقبال کی طرح فارسی میں شعر کہنا پسند کرتے تھے۔ رچناوی بولی میں یہ دیوان بھی ان کی وفات کے بعد مرتب کیا گیا تھا۔ بہر طور اس باب میں ہم سلطان باہوؒ کے نظام فکر کا مطالعہ پیش کرتے ہوئے ان کی رچناوی شاعری کے علاوہ ان تمام نثری تصانیف کو بھی پیش نظر رکھیں گے جو فی زمانہ دستیاب ہیں۔ ان کی وجہ شہرت شاعری سہی، لیکن ان کے پورے نظام فکر کا فہم حاصل کرنے کے لیے دیگر تصانیف کو نظر انداز کرنا محال ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس صوفی دانش ور کا تعلق تصوف کے قادری مکتبہ فکر سے تھا۔ یہ تعلق اس قدر شدید تھا کہ انہوں نے اپنی تحریروں میں جا بجا اپنے روحانی سلسلے کی عظمت کا چرچا کیا ہے اور عمومی صوفیانہ رجحان کے برعکس قادری سلسلے کے علاوہ دیگر صوفیانہ سلسلوں کو گمراہ کن، ہیچ اور ناپسندیدہ قرار دیا ہے(۱۸)۔ دراصل وہ قادری مکتبہ فکر کے دائیں بازو کی نمائندگی کرتے ہیں جس سے وابستہ دانشور راسخ الاعتقادیت کے زیر اثر رہے تھے اور اپنے کائناتی نقطۂ نظر کی تشکیل عقیدہ پرستی کے حوالے سے کرتے تھے۔

تاہم ہمیں اس امر کو پیش نظر رکھنا ہوگا کہ فرقہ پرستی کا یہ رویہ سلطان باہوؒ کی نثری تحریروں تک محدود ہے۔ شاعری اور خصوصاً پنجابی (رچناوی) شاعری میں انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ سترہویں صدی کے دیگر قادری دانش وروں سے زیادہ مختلف نہیں۔ چنانچہ شاعری میں ایک جگہ کہتے ہیں کہ: ''میں سنی ہوں نہ شیعہ۔ میرا دل ان دونوں سے دکھا ہوا ہے''۔

نہ میں سنّی نہ میں شیعہ، میرا دوہاں توں دل سڑیا ھو
مک گئے سبھے خشکی پینڈے،جدوں دریا وحدت وچ وڑیا ھو
سے منتارے ترتر ہارے،کوئی کنارے چڑھیا ھو
چڑھ گئے پار کنارے باھو ،جنہاں مرشد دا لڑ پھڑیا ھو(۱۹)

اور یہ کہ عارفوں کا مذہب عشق وعرفان ذات حق ہے۔ وہ ہندو ہیں نہ مسلمان۔ عشاق صرف مسجدوں میں جا کر سجدے نہیں کرتے۔ وہ تو ہر لحظہ محبوب کے حضور رہتے ہیں''

نہ اوہ ہندو نہ اوہ مومن ، نہ سجدہ دین مسیتی ھو
دم دم دے وچ ویکھن مولا ،جنہاں قضا نہ کیتی ھو
آہے دانے تے بنے دیوانے، جنہاں ذات صحیح ونج کیتی ھو
میں قربان تنہاں توں باھو ،جنہاں عشق بازی چن لیتی ھو (۲۰)

اک اور جگہ لکھتے ہیں کہ: ''میں نہ تو جوگی ہوں اور نہ ہی جنگم۔ نہ ہی مسجدوں میں جا کر لمبی لمبی عبادتیں کرتا ہوں۔ نہ ہی ریاضتیں کرتا ہوں۔ میرا ایمان محض یہ ہے کہ جو لمحہ غفلت کا ہے وہ لمحہ کفر کا ہے

نہ میں جوگی نہ میں جنگم نہ میں چلّا کمایا ھو
نہ میں بھج مسیتی وڑیا نہ تسبا کھڑکایا ھو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو دم غافل سو دم کافر مرشد ایہہ فرمایا ھو

مرشد سوہنی کیتی باھو پل وچ جا پہنچایا ھو(۲۱)

صوفیانہ مابعد الطبیعات کے ضمن میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ فلسفہ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ وحدت الوجودی خیالات سلطان باہوؒ کی شاعری میں کثرت سے ملتے ہیں۔ تاہم یہ فلسفہ ان کے نظام فکر کی بنیاد نہیں بن سکا۔ یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ وہ وحدت الوجود کے فلسفے کو ایک کائناتی نقطۂ نظر کے طور پر قبول نہیں کرتے۔ زندگی اور کائنات کے بارے میں ان کا یہ رویہ اس فلسفے سے ہم آہنگ نہیں، نہ ہی وہ اپنے عہد کے دیگر قادری دانش وروں کی طرح وحدت الوجود کے سماجی اور مذہبی نتائج کو قبول کرتے ہیں۔ یہ فلسفہ ان کے ہاں محض ایک صوفیانہ اور شاعرانہ تعلق رہتا ہے۔(۲۲)

ان کا نقطۂ نظر دیگر وحدت الوجودی فلاسفہ سے ہم آہنگ بھی ہے، لیکن وہ اسے مستحکم بنیاد نہیں بناتے بلکہ وحدت الوجود کی ایسی توجیہہ کرتے ہیں۔ جسے راسخ الاعتقادیت سے ہم آہنگ کیا جاسکے۔ چنانچہ فنا کے تصور کی توجیہہ کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ اس سے عام مراد ذات باری تعالیٰ کے ساتھ بقا حاصل کرنا ہے لیکن انتہائی فنا یہ ہے کہ نفس شیطان سے کنارہ کش ہو(۲۳)۔ ظاہر ہے کہ یہ زاویۂ نگاہ دیگر وحدت الوجودی صوفیا کے نقطۂ نظر سے بالکل مختلف ہے۔ راسخ الاعتقادی کی جانب اسی رجحان کے حوالے سے سلطان باہوؒ نے شیخ احمد سرہندیؒ کی مانند طریقت پر شریعت کو ترجیح دی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''بعض طریق والے کہتے ہیں اور اکثر سنا بھی جاتا ہے کہ نفلی روزے رکھنا روٹی کی بچت ہے اور نماز ادا کرنا بیوہ عورتوں کا کام ہے اور حج کرنا جہاں کی سیر کرنا ہے۔ دل ہاتھ میں لانا البتہ مردوں کا کام ہے۔ (لیکن درحقیقت) جو ایسا کہتے ہیں غلط کہتے ہیں، بلکہ وہ خود پریشان حالت بدمذہب ہیں جو دم کو بند کر کے دل کو جنبش دیتے ہیں۔ یہ طریقہ اور رسم تو کافروں کی ہے۔ بہتر تو یہ کہ تو ان مردہ دلوں کا منہ نہ دیکھے''۔(۲۴)

ان خیالات کا اظہار محکم الفقراء میں بھی کیا گیا ہے۔ اسی رسالے میں آگے چل کر وہ کہتے ہیں کہ:

''آدمی سب سے افضل ہے۔ کوئی چیز انسان کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتی۔ جو کچھ پیدا کیا گیا ہے، سب انسان کے لیے کیا گیا ہے اور آدمی اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور جو شناخت کی طلب نہیں کرتا وہ بمنزلہ حیوان ہے۔ اس کے بدلے جمادات اور نباتات یا اور کسی قسم کے حیوانات پیدا ہوتے تو بہتر تھا۔ ان آدمیوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوقات پر لعنت ہے جو کتے، گائے اور بھیڑوں کی طرح ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اپنی بے وقوفی کے سبب قیامت کے دن دیدار الٰہی کے اُمیدوار بنتے ہیں۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ جو دنیا میں اندھا ہے آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا۔ چنانچہ ایک بزرگ نے بطور اشارہ لکھا ہے کہ پیغمبر خداﷺ کی اُمت وہی ہے جو آنحضرتﷺ کی پیروی کرے۔ پیرو کے معنی ہیں قدم بقدم چلنے والا یعنی جہاں پر آنحضرتﷺ کے قدم مبارک کے نشان ہیں وہاں پر اپنا قدم پہنچائے۔ جب خود وہاں نہ پہنچے گا تو پھر وہ پیرو کس طرح شمار ہوگا۔ پیروی صرف کہنے کو نہیں کہہ سکتے بلکہ قدم بقدم چلنے کا نام ہے۔ اس سے قیاس کرلو کہ پیغمبر خداﷺ کہاں تک پہنچے ہوں گے۔ جو شخص اپنے آپ کو وہاں تک نہیں پہنچاتا وہ پیروی سے باز رہ جاتا ہے اور جب پیروی سے باز رہا تو اُمت میں کس طرح شمار ہوسکتا ہے" (۲۵)۔

شریعت کو طریقت پر ترجیح دینے کے باب میں سلطان باہوؒ کے یہ خیالات شیخ احمد سرہندی کے افکار سے ملتے جلتے ہیں۔ ان کے زمانے تک پنجاب میں شیخ کے خیالات کو زیادہ فروغ حاصل نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ ان کی رچناوی شاعری میں اس باب میں ان کے خیالات کی تصویر اس کے بالکل ہی برعکس دکھائی دیتی ہے (۲۶) اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں بے روح روزے اور نمازیں و دیگر عبادات، بلاخشوع و خضوع اور ریا کاری سے پُر نوافل اور بلا ذوق وشوق چلّے اور بلا عشق الٰہی زہد وتقوے بے فائدہ کام ہیں۔ چنانچہ ان کے یہ خیالات شریعت اسلامی کے برعکس نہیں ہیں، بلکہ عین مطلوب ہیں۔ علاوہ ازیں آپؒ کا علوم وفنون اور صوفیانہ و غیر صوفیانہ نظریات کی کشمکش اور آویزش کے گڑھ ہندوستان کے پایۂ تخت دہلی میں سید عبدالرحمنؒ کے ہاں قیام اور ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہونا، وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی آویزش سے نہ صرف ان کا آگاہ ہونا لازم کرتا ہے، بلکہ تختِ سلطنت کی قوت کی آڑ میں وحدت الوجودی فلسفہ کو اپنانے اور شریعت کو ترک کرنے کے نتائج وعواقب سے بخوبی واقفیت ان کے پہلے خیالات میں اصلاح اور جدت کا باعث بنی ہوگی۔ اور کچھ بعید نہیں کے ہمارے ممدوح صوفی دانشور نے اپنے مرشد کی زیرِ تربیت مقاماتِ سلوک طے کرتے ہوئے ایک طرح کے تقابلی اور تنقیدی مطالعہ کے بعد ان خیالات کو اخذ کیا ہو۔ صوفیا فلاسفہ اور دانشوروں کے ہاں نظریات کی تجدید و اصلاح اور پختگی کے ارتقائی مراحل کوئی نئی بات نہیں۔ ہمارے اس خیال کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ دربار اور اہلِ دربار سے ان کے تضادات دہلیؒ سے آپ کی واپسی کا باعث بنے۔ ظاہر ہے کوئی بھی خودسر اور خود پرست حکومت آخر شیخ سرہندیؒ جیسے خیالات رکھنے والے کسی زبان آور صوفی کو آخر کیسے برداشت کرسکتی ہے؟ ان کو تو ایسے مافوق الفطرت دیومالائی وحدت الوجودی خیالات ونظریات راس آتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں جو ان کو ظلِ الٰہی ثابت کریں اور ان کے اقتدار کی طوالت اور انسانوں کی گردنوں پر سوار رہنے کا باعث بنیں۔

چنانچہ شریعت کو طریقت پر ترجیح دینا ہی دراصل صوفیائے راسخین کا وطیرہ رہا ہے، اسی لیے تو اپنی دیگر تصانیف میں انہوں نے کثرت سے اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ:

بیروں منہ قدم ز شریعت محمدیؐ

گر تو عارفی محرم اسرار حقیقت شو

سلطان باہوؒ کے نزدیک مرشد کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ سنت نبویؐ کو زندہ کرے اور بدعت کو مٹائے (۲۷)۔ کیونکہ شریعت کی پابندی کے بغیر حق کی جستجو محال ہے (۲۸)۔ جو شخص مذہبی قانون پر چلنے کے بغیر اپنی شیخ زادگی کے بھروسے سے رہبری اور پیشوائی کرے گا وہ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔ یعنی اگر اس کا ایک فعل بھی شرع محمدیؐ کے خلاف ہے تو وہ صوفی نہیں، بلکہ شیطان ہے۔ اس سے بالکل کنارہ کشی کرنی چاہیے (۲۹)۔ پس جو لوگ خلاف شرع ہیں وہ معرفت سے محروم ہیں (۳۰) صحو اور سکر کے پرانے صوفیانہ مسئلے پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے سلطان باہوؒ راسخ الاعتقاد صوفیاء کی طرح اوّل الذکر کو مؤخر الذکر پر ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ ''دیوانہ سب سے بے گانہ اور ہشیار شریعت شہسوار اور عارف نظارہ ہوتا ہے'' (۳۱)۔ جو شخص معرفت الٰہی میں یگانہ ہوجاتا ہے۔ وہ مجذوب یا دیوانہ نہیں ہوتا۔ بلکہ فقر کے انتہائی مقام پر پہنچ کر شریعت کی پابندی اور بھی ضروری ہوجاتی ہے (۳۲)۔ طالب حق کسی مقام پر بھی مذہبی قانون کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کرسکتا (۳۳) وہ شریعت پر قدم بقدم چلتا ہوا منزل مقصود کو پہنچتا ہے۔

بادی النظر میں دیکھا جائے تو یہ تمام تصورات، رسائی اور حوالہ جاتی نظام راسخ الاعتقاد علما اور اہل ظاہر سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے سلطان باہوؒ کا علمائے ظاہر سے کسی تضاد کے موجود ہونے کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم حقیقی صورت حال اجو اس سے بالکل مختلف نظر آتی ہے، ان کے نظام فکر میں علمائے ظاہر اور مذہبی قانون کے محافظ ہمیشہ ایک ولن کی صورت میں سامنے آتے ہیں اور ان کی شدید نکتہ چینی اور طنز کا معروض ہیں۔ ان لوگوں پر حضرت باہوؒ کی نکتہ چینی کا آغاز عالمگیری دور کے علما کی منافقت، دنیا پرستی، جاہ طلبی، جہالت اور تنگ نظری کے حوالے سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اپنے معاصرین پر تنقید کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ:

''اس زمانے میں علم کتابوں میں ہے اور عالم قبروں میں ہیں۔ یہ ظاہری علما بادشاہی حضور و قرب کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متلاشی، طلب معاش، طلب خورد ونوش میں لگے رہتے ہیں۔ یہ بمنزلہ مزدور ہیں۔ نفس امارہ کی قید میں ہیں۔ دنیاوی درجوں کے لیے نماز استخارہ پڑھتے ہیں، لیکن الا اللہ کی معرفت اور جناب پیغمبر خداؐ کی مجلس کا رُخ نہیں کرتے۔ اور چک زمین زراعت فصل ربیع اور فصل خریف کے لیے اس قدر افسوس اور آہ وزاری کرتے ہیں کہ دنیا جہاں کو اپنی طرف بلا لیتے ہیں۔ دنیاوی طلب بدعت کی جڑ ہے اور طلب الٰہی ہدایت کی بنیاد ہے۔ اہل بدعت اور اہل ہدایت کی ہم نشینی راس نہیں آتی۔ قرآن مجید میں لکھا ہے کہ شیطان تمھارا دشمن ہے۔ اس سے خبردار رہو۔ دنیا سے دل ہٹالو۔ نفس الملہمہ کی متابعت نہ کرو۔ جو شخص قرآن شریف کے خلاف کرتا ہے وہ نہ عالم باعمل اور وارث انبیا ہے نہ کامل فقیر و باطن صفا ہے'' (۳۴)۔

علماء پر سلطان باہوؒ کا ایک اہم اعتراض یہ ہے کہ علم نے انہیں بے جاقسم کے فخر وغرور کا شکار بنا دیا ہے۔ اسی بنا پر انہوں نے سلامتی اور ہدایت کی راہ تیاگ دی ہے (۳۵) عالمگیری دور کے علماء کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ یہ علماء گدھوں کی طرح کتابوں کا بوجھ اُٹھائے گلیوں میں مارے مارے پھرتے رہتے ہیں، جہاں ان کی مادی خواہشات کی تسکین کا امکان ہو، وہاں بڑے بڑے مسئلے بیان کرتے ہیں (۳۶) یہ راہِ حق سے ہٹے ہوئے لوگ ہیں اور اپنے مکروفریب کے جال میں لوگوں کو پھنساتے رہتے ہیں۔ بظاہر یہ لوگ اہل حضور ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اصل میں وہ صداقت اور خداؐ سے دور رہتے ہیں۔

علمائے ظاہر کے مقابلے میں سلطان باہوؒ فقیر کا تصور پیش کرتے ہیں۔ جہاں علماء لذاتِ نفس و دنیا میں مبتلا ہو کر نفس پروری کرتے اور لذت یاد الٰہی سے بیگانہ رہتے ہیں۔ وہاں فقرا شب و روز یاد خدا میں غرق ہوتے ہیں (۳۷)۔ یہ سوال اُٹھاتے ہوئے کہ فقیر اور عالم میں کیا فرق ہے، سلطان باہوؒ خود ہی یہ جواب دیتے ہیں کہ:

''فقرا ہمیشہ ذوق وشوق، غرق واستغراق میں رہتے ہیں اور علماء تحقیق مسئلہ مسائل اور بحث و مباحثہ میں رہتے ہیں۔ علوم وفنون ومسئلہ مسائل قبر سے جدا ہو جاتے ہیں اور یاد الٰہی ہمیشہ کے لیے فقیر کے ہمراہ ہوتی ہے اور قبر میں بھی اس کی رفیق بنتی ہے، کبھی اس سے جدا نہیں ہوتی۔ فقرا صاحب معرفت اور اہل توفیق ہوتے ہیں۔ علماء وفقہا سلاطین وامرا کے ہم نشین ہوتے ہیں اور فقرا خدا کے ہم نشین ہوتے ہیں'' (۳۸)۔

فقیر کا ہر قدم شرع کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ کسی حال میں بھی سنت نبوی کو ترک نہیں کر سکتا۔ (۳۹) علما کی مخالفت سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط ہوگا کہ سلطان باہوؒ خود علم کو ناپسندیدہ کرتے ہیں۔ صوفیوں میں ایسے گروہ موجود رہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں جو علم کو بذاتہ بُرا تصور کرتے تھے۔ تاہم سلطان باہوؒ ان میں سے ایک نہیں ہیں۔ علما کی مخالفت اصل میں اپنے عہد کے مدعیان علم کے کردار کے مشاہدے اور تجزیے سے پیدا ہوئی تھی۔ جہاں تک خود علم کی اہمیت کا تعلق ہے سلطان باہوؒ اس کا پوری طرح اعتراف کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک خدا کی تلاش بھی بغیر علم کے محال ہے۔ جاہل اپنے نفس کا غلام ہوتا ہے اس لیے وہ اپنی جبلتوں سے ماورا ہو کر حق و صداقت کی یافت کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ علم دین اور دنیا دونوں میں فلاح کے لیے ناگزیر ہے۔ دونوں جہان کی نعمت علم ہے۔ شیطان کا قاتل علم ہے۔ مسلمان کنندہ علم ہے۔ نفس امارہ کے لیے صحت جان ہے۔ آتش دوزخ کے لیے ڈھال ہے۔ علم سے ظاہری باطنی تمام اسرار منکشف ہوتے ہیں (۴۰)۔ علم ہی دینی اور دنیاوی نجات کا وسیلہ ہے۔ علم کی اہمیت مسلم ہے لیکن عمل کے بغیر دیوانگی ہے (۴۱)۔ علم اور عالم میں جدلیاتی اضافت موجود ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے بغیر بے معنی ہیں۔ سلطان باہوؒ کہتے ہیں کہ اگر تمام عالم عامل بھی ہوں، سچ بولیں اور حلال کھائیں اور محض خدا کی خاطر علم حاصل کر کے دوسروں کے لیے نیک عمل کی مثال بنیں تو اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے (۴۲)۔ جہالت سے بدتر شے دنیا میں اور کوئی نہیں ہے، لیکن عمل کے بغیر علم بانجھ عورت کی طرح ہے (۴۳)۔ عمل سے ہمارے دانشور کی مراد ظاہری عمل نہیں۔ اسے وہ منافقت قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیتے ہیں۔ وہ عالم اور علم کے درمیان وجودی تعلق کے قائم ہونے کی خواہش کرتے ہیں۔ جہاں علم نہ تو تجریدی رہتا ہے اور نہ ہی فرد سے اس کا تعلق منافقت کا تعلق ہوتا ہے بلکہ وہ فرد کی ذات کا حصہ بن کر اس کی نشو و نما اور ترقی میں رہنما بنتا ہے۔

علم سے بے خبری کے عالم میں انسان نفس امارہ کا غلام بن کر زندہ رہتا ہے۔ وجود کی یہ وہ سطح ہے جہاں انسان اور حیوان میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ انسان حیوان ہی کی طرح اپنی جبلتوں اور بلاواسطہ ضرورتوں کی تسکین کی خاطر مصروف رہتا ہے۔ سلطان باہوؒ نے نفس امارہ کو انسانی وجود میں بمنزلہ یزید قرار دیا ہے (۴۴)۔ ان کے نزدیک انسان کی زندگی کا حقیقی نصب العین یہ ہے کہ وہ اس پست سطح حیات سے بلند ہو کر اپنی ذات کے روحانی امکانات کی تکمیل کرے اور یوں وجود کی اعلیٰ ترین سطح تک رسائی حاصل کرے۔ قرآنی نفسیات کی اصطلاحات استعمال کرتے ہوئے سلطان باہوؒ نے وجود کی اس سطح کو نفس مطمئنہ سے تعبیر کیا ہے۔ (۴۵)

نمونہ کلام:

سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ کو سی حرفی کا موجد و بانی مانا گیا ہے۔ آپ کے کلام کی خاص پہچان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور امتیازی وصف ہر بند کے آخر میں 'ھو' کا استعمال ہے اور آپؒ کی شہرہ آفاق سی حرفی کا سب سے معروف اور زبان زدِ عام بند ''الف اللہ چنبے دی بوٹی'' ہے:

الف اللہ چنبے دی بوٹی ،مرشد من وچ لائی ھو
نفی اثبات دا پانی ملیس ،ہر رگے ہر جائی ھو
اندر بوٹی مشک مچایا، جاں پھلن تے آئی ھو
جیوے مرشد کامل باہو،جیں ایہہ بوٹی لائی ھو(۴۶)

ان کے ہاں منافقت ، دورنگی اور ریا کے خلاف شدید ردِ عمل پایا جاتا ہے ۔ وہ بے ادب عالموں اور جاہل زاہدوں اور تارکِ دنیا لوگوں کے اخلاص ، احسان اور خالص نیت کے بغیر اعمال کو بے کار قرار دیتے ہیں۔

تسی پھیری تے دل نہ پھریا کی لیناں تسی پھڑ کے ھو
پڑھیا علم تے ادب نہ سکھیا، کی علم نوں پڑھ کے ھو
دِلے گئے تے کجھ نہ کھٹیا ، کی لیناں چلیاں وڑ کے ھو
جاگ بناں دُدھ جمدے نہ باہو،
بھانویں لال ہوون کڑھ کڑھ کے ھو(۴۷)
تسبیح دا توں کسی ہوئیوں ،ماریں دم ولیہاں ہو
من دا منکا ہک نہ پھیریں ،گل پائیں پنج دیہاں ہو
دیون لکیاں گل گھوٹو آوی،لون لگے جھٹ شینہاں ہو
پتھر چت جنہاں دے باہو،اُتھے ضائع وسنا مینہاں (۴۸)

اسلامی تصوف میں صوفی ،متصوف اور مستصوف کی اصطلاحات معروف ہیں ۔مقامات سلوک طے کر کے منزلِ مقصود تک پہنچ جانے والے کو صوفی کہا جاتا ہے، جو ابھی صوفیانہ طریق کو اختیار کر کے اس راستے میں کوشش کر رہا ہو اسے متصوف کہتے ہیں ۔مگر جو نہ صوفی ہو اور نہ اس نے صوفیانہ طریقہ اختیار کیا ہو بلکہ جو دنیا کا مال ومتاع اور مرتبہ وعزت حاصل کرنے کے لیے محض ظاہری وضع قطع اور لباس وغیرہ سے فریب کاری کر کے اپنے آپ کو صوفی ظاہر کرے وہ مستصوف کہلاتا ہے(۴۹) ۔ایسے مستصوفین یعنی جھوٹے صوفیوں کی مذمت ان الفاظ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے ہیں:

جے رب ناتیاں دھوتیاں ملدا، تاں ملدا ڈڈواں مچھیاں ہو

جے رب لمیاں والاں ملدا، تاں ملدا بھیڈاں سسیاں ہو

جے رب راتیں جاگیاں ملدا، تاں ملدا کال کڑچھیاں ہو

جے رب جتیاں ستیاں ملدا، تاں ملدا داندان خصیاں ہو

انہاں گلاں رب حاصل ناہیں باہو، رب ملدا دِلیاں ہچھیاں ہو (۵۰)

قرآنِ حکیم کی درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوْا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا. (۵۱)

ترجمہ: جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہو۔

وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا

ترجمہ: اور میری آیات کو تھوڑی قیمت پر فروخت نہ کرو۔

ان الذین یشترون بایٰت الله ثمناً قلیلاً اولئک ما یاکلون فی بطونهم الاالنار. (۵۳)

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو اللہ کی آیات کو تھوڑی قیمت پر بیچتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔

اسی طرح قرآنِ حکیم کی کئی اور آیات میں مندرجہ بالا مضمون بیان ہوا ہے جو بنیادی طور پر علمائے سُو کے گھناؤنے کردار کی نشاندہی اور ان کے انجام بارے مین ہیں۔ حضرت باہُوؒ کے کلام میں ان کے عہد علمائے سو او درباری ملاؤں کے کردار کچھ اس طرح ہے۔

حافظ پڑھ پڑھ کرن ، تکبر ملاں کرن وڈیائی ہو

ساون مانہہ دے بدلاں وانگوں ، وتن کتاباں چائی ہو

جتھے ویکھن چنگا چوکھا ، پڑھن کلام سوائی ہو

دوئیں جہانیں مُٹھے باہو، جنہاں کھادھی ویچ کمائی ہو(۵۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاعر کی صوفیانہ دانش جس کو بعض دانشوروں نے دیہاتی دانش (Visdom) قرار دیا ہے، ملاحظہ کیجیے:

چڑھ وے چناں تے کر روشنائی، ترا ذکر کریندے تارے ہو
لیاں دے وچ پھرن نمانے، لعلاں دے ونجارے ہو
شالا مسافر کوئی نہ تھیوے، ککھ جنہاں تھیں بھارے ہو
اڑی مار اُڈا نہ باہو، اسیں آپے اُڈن ہارے ہو (۵۵)

نال کسنگی سنگ نہ کریے، کُل نوں لاج نہ لائیے ہو
تُمے، تربوز، مول نہ ہوندے، توڑے توڑ مکے لے جائیے ہو
کاں دے بچے ہنس نہ تھیندے، توڑے موتی چوگ چگائیے ہو
کوڑے کھوہ نہ مِٹھے ہوندے باہو، توڑے سئے مناں کھنڈ پائیے ہو (۵۶)

دل دریا سمندروں ڈوگھے، کون دِلاں دیاں جانے ہو
وِچے بیڑے، وِچے جھیڑے، وِچے وَنجھ مُہانے ہو
چوداں طبق دِلے دے اندر، تمبو وانگوں تانے ہو
دل دا محرم باہو، سوئی رب پچھانے ہو (۵۷)

حضرت سلطان باہوؒ کے کلام کے حوالے سے ایک بہت بڑی زیادتی یہ ہوئی ہے کہ رچناوی لہجے سے ناواقف کلام باہو کے اکثر مرتبین نے اسے ماجھی پنجابی لہجے کے الفاظ و اصوات کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے جس کی وجہ سے اوزان میں بھی فرق آیا ہے اور مفاہیم و معانی کہیں سے کہیں جا پہنچے ہیں۔ مثلاً مندرجہ بالا بند ہی میں ملاحظہ کیجیے، رچناوی لہجے میں ''ڈوگھے'' بولا جاتا ہے جبکہ گانے والے اور کئی مرتبین نے اسے ''ڈونگھے'' لکھا ہے اور پڑھا ہے، اسی طرح لفظ ''وَجھ'' کو ''ونجھ'' لکھا اور پڑھا جاتا ہے جو غلط ہے، اس کی کئی اور مثالیں بھی دی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح کلامِ باہو کے کئی شارحین نے فاش اغلاط کی ہیں۔ لہجے اور زبان سے عدم واقفیت کی بنا پر الفاظ کا مفہوم کہیں سے کہیں جا پہنچتا ہے، مثلاً ''ہتھاں، تھاں یا تھایاں'' کا رچناوی زبان میں معنی باورچی خانہ یا کھانا پکانے اور برتن رکھنے کی جگہ ہوتا ہے جبکہ اس کو لہجے سے ناواقفین 'ہاتھ' یا 'جگہ' سمجھتے ہیں، ''جاں'' کا معنی ''جب'' ہے جبکہ اس کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطلب 'جان' سمجھا جاتا ہے اور لفظ ''بھی'' کا معنی ''اور زیادہ ہو جانا یا بڑھ جانا'' ہے جبکہ لہجے سے ناواقف اس کا مطلب اردو والا ''بھی'' سمجھتے ہیں، حضرت باہو کا فقرہ '' بھی طالب ہوون زردے ہو' اسی کی نمائندگی کرتا ہے۔ علیٰ ہٰذاالقیاس اس طرح کے دیگر درجنوں الفاظ کی مثالیں دی جاسکتی ہیں، جن کے غلط معنی کیے جاتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ صحیح لہجے کے ساتھ اس کے اصوات و معانی کا درست ادراک کر کے کلامِ باہوؒ کو ترتیب دیا جائے۔ اور پھر اسی طرح رائج کیا جائے۔ یہ جہاں شاعر کا حق ہے وہیں اس لافانی کلام سے کما حقہ استفادہ کرنے کا درست طریقہ بھی۔

تاریخِ تصوف اس بات پر گواہ ہے کہ صوفیاء اپنے زمانے میں رائج تمام دینی و دنیاوی علوم سے بدرجۂ کمال واقف ہوتے ہیں، چنانچہ بےعلم صوفی کے بارے میں یوں اظہارِ خیال فرماتے ہیں:

علموں باجھ جو فقر کماوے ،کافر مرے دیوانہ ہو
سئے ورہیاں دی کرے عبادت ،رہے اللہ توں بیگانہ ہو
غفلت توں نہ کھلسن پردے ، دل جاہل بت خانہ ہو
میں قربان تنہاں توں باہو، جنھاں ملیا یار یگانا ہو (۵۸)

(ب) حاجی محمد صفوریؒ:

ہیڈ سدھنائی سے شمال کی طرف قریباً چار پانچ کلومیٹر اٹھارویں صدی عیسوی کی معروف ولیہ حضرت مائی صفورہؒ (۴۲ ۱۷ء-۹۴ ۱۷ء/ ۱۱۵۵ھ-۱۲۰۹ھ) آسودہ خاک ہیں۔ آپ اپنے دور کی صاحبِ حال ولیہ گزری ہیں اور مرجع خلائق تھیں۔ مائی صفورہ کی اولاد میں بہت سارے نامور اور باکمال بزرگ پیدا ہوئے جنھوں نے شریعت اور طریقت کے اس چشمے کو جاری رکھا جس کو مائی صاحبہ نے اپنی زندگی میں جاری کیا۔ انہی خدارسیدہ ہستیوں میں صاحب زادہ حاجی محمدؒ کا نام بھی خاصا مشہور ہوا۔ آپ ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے اور خاندانی رواج کے مطابق دینی اور دنیاوی تعلیم مقامی مکتب سے حاصل کی۔ حاجی محمد جوانی میں عشق مجازی میں گرفتار ہوئے مگر شریعت اور خاندان کے بندھنوں کے باعث حد سے گزرنے سے باز رہے۔ بےقرار ہو کے گھر سے باہر نکل پڑے اور روحانی سکون کے حصول کیلیے مختلف عالموں، صوفیوں اور درویشوں کی خدمت میں حاضر ہوئے یوں عشق مجازی کے جذبات آہستہ آہستہ عشق حقیقی میں ڈھلتے گئے۔ اور ان کی منزل خدا کی ذات بن گئی۔ پہلے پہل جب گوہر مقصود ہاتھ آتا نظر نہ آیا تو گھبرا کے کہہ اٹھے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بحر عمیق حقیق اندر تحقیق رفیق سوائے
بوڑ کروڑ گئے گھر اپنا لعلاں دے سدھرائے
گھمن گھیر وھیر اندر پئے ڈھیر تے فیر نہ آئے
حاجی محمد باجھ شناور کون بحر تر جائے (۵۹)

پھر حقیقت تک پہنچنے کی کٹھن راہ پر غالب آنے کے لیے قاضی الحاجات کے حضور یوں التجا کرتے ہیں:

رمز تری کوئی بجھی ماہی لبھے کسے نوں ناہیں وسنا ئیں کولے رکھنا ئیں
او ہلے لاہ حجاب کداہیں
مدتاں ہوئیاں بھال کریندیاں پئے گیاں اوجھڑ راہیں
حاجی محمد دس کوئی حیلہ کیچ ونجاں کس راہیں

رچناوی زبان کے اس صوفی شاعر کی ساری زندگی مریدوں اور عقیدت مندوں کی روحانی تربیت میں گزر گئی اور وہ ۲۷ فروری ۱۹۳۴ء کو اس دارفانی سے کوچ فرما گئے۔ مائی صفورہ کے مقبرے کے پاس آرام فرما ہیں۔ چچا کی بیٹی سے شادی ہوئی تاہم کوئی اولاد نہ ہوئی۔ آج ان کی کتاب ''سسی پنوں'' کے سوا ان کی کوئی یادگار باقی نہیں۔ (٦١)

کتاب سسی پنوں از حاجی محمد صفوریؒ کا فنی وفکری جائزہ:

ہماری اس دھرتی پر لوک داستانوں میں جتنے قصے مشہور ہوئے ہیں ان میں 'سسی پنوں' قصے نے ہمہ گیر شہرت حاصل کی ہے۔ اور برصغیر کی تمام زبانوں میں نظم کا روپ دھار چکا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق صرف پنجابی زبان میں کم ازکم ایک سو شاعر ایسے گزرے ہیں جنہوں نے شاعری کی کسی نہ کسی منچاہی صنف میں اس معاشقے کو پیش کیا ہے۔ سسی پنوں کے بارے میں مختلف زبانوں میں جو شعری مجموعے ملتے ہیں ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل جو شاعر صوفی تھے انہوں نے تصوف اور اخلاق کی گہری رمزوں کو اس پریم کہانی میں پرو کر بیان کیا ہے۔ صاحبزادہ حاجی محمد صفوریؒ بھی بزرگوں کی اسی ٹولی کے عظیم فرد تھے۔

۱۔ انہوں نے اس قصے کا پلاٹ ''تحفۃ الکرام'' مصنفہ میر علی شیر قانع تتوی، ''تاریخ بلوچستان'' مصنفہ رائے بہادر ہتورام، ''سسی پنوں'' مصنفہ حضرت صالح محمدؒ اور ''سسی پنوں'' مصنفہ سید ہاشم شاہ، کو سامنے رکھتے ہوئے تیار کیا۔ اور منتخب واقعات کی کڑیوں کو ملاتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا کہ مثنوی کے فنی تقاضے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بدرجہ اتم پورے ہوں۔ اور موقع کی مناسبت سے مذہبی عقائد، صوفیانہ افکار اور اخلاقی تعلیمات کا پرچار بھی جاری رہے۔

۲- سسی پنوں کے سارے کردار ہماری اس دھرتی کے جیتے جاگتے اور حقیقی لگتے ہیں اور ہر کردار اپنے مزاج، جذبات اور عادات کے اعتبار سے کسی جانے پہچانے فرد کی بھرپور نمائندگی کرتا ہے۔ اگر کہیں قصے کی ہیروئن سے مافوق الفطرت عمل ظاہر ہوا بھی ہے تو اس کی تائید کے لیے مذہبی عقیدہ اور تاریخی حوالہ پہلے سے موجود ہے۔

۳- صاحبزادہ حاجی محمد صفوریؒ بڑے دردمند، نرم دل، خوش ذوق، شیریں زبان اور غیر متعصب انسان تھے۔ اسی لئے ان کی مجلس میں ہر علاقے، ہر درجے اور ہر فرقے کے لوگ شریک ہوتے تھے۔ اور وہ ہمیشہ سادہ عام فہم اور پرتاثیر رچناوی لہجے میں وعظ فرماتے تھے۔ البتہ عالمانہ گفتگو میں عربی، فارسی اور ہندی الفاظ بے تکلف استعمال کرتے تھے اور یہی خصوصیت ان کے شعروں میں بھی نمایاں ہے۔ (۶۱)

۴- صاحبزادہ موصوف جامع کمالات تھے وہ عشق مجازی کے رمز آشنا اور عشق حقیقی کے لذت شناس تھے مذہبیات کے فاضل اور متعدد زبانوں کے ماہر تھے۔ تہذیبی مطالعہ کے شائق اور معلومات کا خزینہ تھے۔ متشرع سجادہ نشین اور صاحب حال صوفی تھے۔ موسیقی کے شیدائی اور قادر الکلام شاعر تھے۔ یہ سارے اوصاف ان کی مثنوی میں اس انداز میں کارفرما ہوئے ہیں کہ وہ صوری اور معنوی محاسن کا حسین ترین مرقع بن گئی ہے۔

۵- فنی لحاظ سے ان کی شاعری میں تشبیہہ، استعارہ، مجاز مرسل، کنایہ، بدیع، صنائع، تلمیح اور مبالغہ کا جا بجا برمحل استعمال ان کے اشعار کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ اور قاری ان کے سحر میں ایسا مبتلا ہوتا ہے کہ وہ ان کی مثنوی کو اس حالت میں پڑھتا چلا جاتا ہے کہ اس کے دل و دماغ کی دنیا تہہ و بالا ہوتی چلی جاتی ہے۔ روح کے اندر عجب انداز کی تلاطم خیز موجیں اٹھتی ہیں جو بالآخر آنکھوں کے بند توڑ کر کسی منہ زور سیلاب کی صورت بہہ پڑتی ہیں۔ اور گرد سے اٹی دل کی دنیا کو صاف شفاف کر دیتی ہیں۔

نمونہ کلام:

شاعر اپنی قادرالکلامی اور اس وصف کے وہبی ہونے کا اعتراف یوں کرتا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شعر کرن دی جاچ نہ مینوں ڈردا شعر نہ آکھاں
درد ہووے دل شاعر دے شعر آون بھن بھن کھا کھاں
درد منداں دے کال ہمیشہ شاعر ہوئے لاکھاں
حاجی محمد دردلاں دے جالن جنگل راکھاں (٦٢)

وہ عبادات میں محض ظاہری پوجا پاٹ کو بے فائدہ سمجھتے ہیں۔ وہ اس معاملے میں اخلاص اور محبت کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ اندر باہر دونوں کی صفائی کے قائل ہیں اور تکبر کو اس راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں یعنی وہی متصوفین دنیاداروں اور مال وزر کے طالبوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

من میلا تے تن اجلا متھے محراب لگانویں شیخ سدانویں
من دا منکا مول نہ پھیریں تسبیح رول رجھانویں بید بنانویں
متھے تلک تے ہتھ وچ گڈوی گنگا جل وچ نانھویں کتھا سنانویں
حاجی محمد خودی تکبروں جاں تک باز نہ آنویں راز نہ پانویں (٦٣)

سسی کو صندوق میں ڈال کر دریائے سندھ کے سپرد کرنے اور دریائی بلاؤں کی اس پر یلغار کرنے کی منظرکشی دراصل روح کے جسم میں داخل ہونے، اس دنیا میں آنے اور یہاں کے مصائب اور شیاطین کے حملوں سے عبارت ہے۔ پُرکار و پُرگو صوفی شاعر ایک مومن کو ان بلاؤں سے یوں خبردار کرتے ہیں:

اٹھ قسمت سدگھاڑو جلدی کر سامان سفر دے
مانگر مچھ کھلے اڈ کیندے بھکھے ماس بشر دے
منت مَن سیسار سندھل دے پیاسے خون جگر دے
حاجی محمد کچھو کا ملے کھلے تمام بحر دے (٦٤)

جسم و روح کے تعلق اور موت کو ایک اور جگہ یوں بیان کرتے ہیں:

پنجرہ گھڑیا گھاڑ داں سوہنا گجھ نہ رکھی کائی
پکڑ پکھیرو قید کیتو نے ترس نہ کیتا رائی
پنجرہ جدوں پرانا ہویا اوڈ گیا مرغ ہوائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاجی محمد قدر قضا دی رمز کسے نہ پائی (۶۵)

مصائب زمانہ، مسائل و مشکلات اور شیطانی حملے اس دنیا کی زندگی کا لازمی حصہ ہیں۔اس دنیا کے شب و روز کو شاعر سسی کے دریا میں صندوق میں بند سفر کی منظر کشی کے پردے میں یوں بیان کرتا ہے:

ٹھاٹھیں بنھ بنھ ہاٹھی آون راٹھی بن لشکر دا

دہشت ناک اٹھیون دھڑیاں پیون خون جگر دا

سیہڑاں دے وچ بھیڑاں آون سہے صندوق صبر دا

حاجی محمد شوہ دریانویں ہک تکیہ پروردا (۶۶)

اور اسی مضمون کو زندگی کے کسی عہد میں تمام شیطانی حیلوں اور چالوں کے مقابلے میں راہِ حق پر عزیمت و ثابت قدمی کی عکاسی، رچناوی الفاظ کا خوبصورت استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ستارہواں دینہہ سسی لُوھدی نوں بُلھن ٹکراں مارے

مانگر مچھ جلھوڑے جوڑے ہار کھلوتے سارے

وات پدھار سیسار تھکے صندوق چُھٹا ہر وارے

حاجی محمد وس نہ چلے پُھس کھلے ہتھیارے (۶۷)

مندرجہ بالا بند میں بُلھن کا ذکر شاعر کے وسعتِ مطالعہ اور مشاہدے کی دقتِ نظری کی دلیل ہے۔دریائے سندھ میں پائی جانے والی اندھی ڈولفن کو سندھی زبان میں ''بُلھن'' کہتے ہیں۔یہ دنیا کی انوکھی اور واحد جنس ہے جو صرف دریائے سندھ میں پائی جاتی ہے۔

خالصتاً فنی اعتبار سے بھی حاجی موصوف کا کلام ایک ایسا ادبی خزانہ ہے جس یں شعری منظر کشی کیلئے ایسی خوبصورت اور برمحل تشبیہات اور استعاروں کا جا بجا دل موہ لینے والا استعمال کیا گیا ہے جو نا صرف رچناوی زبان میں نایاب ہے بلکہ اس طرح کی وافر مثالیں دیگر معاصر زبانوں کے شعراء کے ہاں بھی ملنا مشکل ہیں۔دریائے راوی کے پڑوس میں آسودہ خاک ہمارے محترم صوفی شاعر کی مثنوی میں بھی راوی کے پانی کی طرح بلا کی تیزی اور کاٹ ہے۔منہ زور دریا کی طرح بلا خیز لہروں پر لہریں اور چھلوں پر چھلیں شعروں کے بند توڑتی محسوس ہوتی ہیں۔تین بند ملاحظہ کیجئے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وال سسی دے بشیر کالے ڈردی کوئی نہ چُنڈے سیس نہ گُندے
زہری ناگاں ڈنگ سنوارے مار نہارے کُنڈے کھپرے لُنڈے
چھجلی کنڈھ کنڈھ لین اُلارے پھنیر پھُو کے پھنڈے پوچھل لُنڈے
حاجی محمد باجھ سپودھیاں کون کیلے تے گُنڈے منتر مُنڈے(۶۸)

نین سسی دے ظالم خونی بھکھڑے باز شکاری لین طراری
ویکھن نال حلال کرن کنڈھ مارن تیر کٹاری مرد قندھاری
باز چھٹے کویں آون خالی جھات مریندے کاری بنھ کے طاری
حاجی محمد چڑیاں کیونکر جاون مار اُڈاری کر ہُشیاری(۶۹)

سسی دے سر چھتے سوہندے بُندے گنئیں لٹکدے لال جھلکدے
رُخ انورنوں، ماہ بدرنوں ویکھن کان تمکدے ملک فلک دے
نازنہورے، چینچل تورے، سبھ مہمان پلک دے اَج بھلک دے
حاجی محمد قہر قضا دے ہردم وتن وکدے تینوں تک دے(۷۰)

قلم اور لفظ کے تعلق اور اپنی تحریر و تخلیق کی تاثیر کے حوالے سے شاعر کا لاجواب بند ملاحظہ ہو:

قلم فراق دے کلے لکھ لکھ سینہ چاک کرایا
رو رو حرف حزن دے پادے سوز گداز سوایا
ڈر ڈر لکھدا تھر تھر کنبدا ہے محتاج پرایا
حاجی محمد بے وس کاتا قلم کشاں ہتھ آیا(۷۱)

موت کے اٹل ہونے اور آخرت کی تیاری کے حوالے سے یوں گویا ہوتے ہیں:

کال سمھال کرے کل جگ دی کسے کولوں نہ ٹلّے
بھلے بُرے سبھ ہار چلے کئی خان جوان اکلّے
شاہ گدا سبھ جھوک لدا گئے لکھ لاڈاں دے پلّے
حاجی محمد ہر زندے نوں اوڑک پین پتھلّے(۷۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اڈ گئی بلبل چھڈ آشیانہ سٹ کے تانگھ چمن دی
اَج ونجاں یا بھلکے جانواں آہی تیار کدن دی
راتیں سُتیاں یاد پئی گل اُٹھیس حُب وطن دی
حاجی محمد یاراں مِلیاں کی اے لوڑ کفن دی (۷۳)

اور اس لازوال مثنوی کا اختتام شاعر یوں کرتا ہے:

آ قلم ہُن بس کر لکھنوں دُکھڑے دردمنداں دے
سینہ چیر کے زخمی کیتائی لِکھ لِکھ درد دلاں دے
اوڑک دل توں داغ نہ جاندے دچھڑ گئے سجناں دے
حاجی محمد خاک دے جائے آخر خاک سماندے (۷۴)

صاحبزادہ حاجی محمدؒ کی مثنوی ایک لاجواب شعری تخلیق ہے جو روحانی نکتہ سنجیوں اور طریقت کی زاویہ آفرینیوں سے بھرپور ہے۔ زیرِ نظر مقالے کے صفحات کی تنگ دامانی اس کا بھرپور احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ کسی موقع پر کسی اور مقالے میں صاحبزادہ حاجی محمدؒ موصوف کی شخصیت اور فن پر باقاعدہ کماحقہ روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔

(ج) دیگر شعراء:

رچناوی زبان کے قدیم و جدید صوفی شعراء یا صوفیانہ رنگ کے حامل شعراء کی ایک طویل فہرست ہے جن کے مکمل تذکرے کے لیے کئی سو صفحات درکار ہیں جن کا زیرِ نظر مقالہ ہرگز متحمل نہ ہے تاہم یاد رہے کہ حضرت سلطان باہوؒ کے مرشد حضرت شاہ حبیبؒ، شاہ حسینؒ، بلھے شاہؒ اور میاں علی حیدرؒ جو کہ صاحبزادہ حاجی محمدؒ کے قریب ہی آسودۂ خاک ہیں رچناوی زبان کے شعرائے قدماء جبکہ اقبال صلاح الدین وغیرہ متاخرین کے زمرے میں آتے ہیں۔ ان تمام اور دیگر پر کسی اور موقع پر خامہ فرسائی کی جائے گی۔ فی الحال ذیل میں صرف میاں علی حیدر ملتانیؒ کی سی حرفی میں سے ایک بند پیش کر کے مقالے کے اختتام کی طرف پیش قدمی کی جاتی ہے۔

ہوش نہ چھڈی عشق تیرے، اتے اس وچ بہت دلگیریاں نی
جھاں عشق دی چولڑی رنگ لئی اوہناں چیٹیاں چادراں چیریاں نی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بادشاہواں دے پُتر کنگال کیتے، جنہاں مَلیاں جا فقیریاں نی

علی حیدرا اوئے جتھے عشق راہندا، اُتھے راہندیاں نئیں امیریاں نی (۷۵)

۳۔ رچناوی صوفی شعراء کے کلام کا عمومی فنی جائزہ:

رچناوی صوفی شعراء کے کلام کا اگر عمومی فنی جائزہ لیا جائے تو ان کے ہاں اصنافِ سخن میں سی حرفی، دوہے/رباعیاں، مثنوی، کافی، طویل نظم، قصہ گوئی/داستانیں اور بعض بالکل نئی اور اچھوتی اصناف بھی ملتی ہیں۔ جبکہ فنی پختگی کے اعتبار سے یہ کلام شاعرانہ کمالات سے بھرپور ہونے کے ساتھ عوامی بھی ہے اور اس میں تشبیہہ، استعارہ، بلاغت، تمثیل وغیرہ کا برمحل اور بھرپور استعمال نظر آتا ہے۔ اسی طرح موضوعاتِ کلام میں دیگر صوفیاء کی طرح توحیدِ الٰہی کے سلسلے میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی ابحاث، عشقِ الٰہی، عشقِ رسولؐ، اخلاص، تزکیہ نفس، انسانیت نوازی کی تعلیم، اخلاقی برتری کی تعلیم، کردار سازی، انسانیت کی خدمت کی تعلیم، امنِ عالم کی تعلیم، منافقت و دورنگی کی مذمت، دکھاوے اور بے عملی سے پرہیز کی تلقین وغیرہ نمایاں ہیں۔

۴۔ معاشرے پر صوفیانہ کلام کے اثرات:

وسطی پنجاب کے رچناوی زبان سے تعلق رکھنے والے صوفی شعراء چونکہ عوام الناس سے ان کی اپنی زبان میں بصورتِ شعر مخاطب ہوئے ہیں اس لیے اس سے عوام کے اخلاق و کردار پر بالعموم اس کے نہایت ہی مستحسن و مثبت اثرات مرتب ہوئے ہیں چنانچہ ان میں عقائدِ اسلام سے پختہ تمسک، ایمان و عملِ صالح، برداشت و رواداری، انسانیت نوازی، اخلاقیات کی برتری، للٰہیت، اخلاص اور عدم تشدد وغیرہ جیسی صفات پیدا کرنے میں اس کلام اور اس کی تعلیمات نے اپنا حصہ وافر ڈالا ہے۔ جبکہ کچھ طبقات پر اس کے چند غیر مستحسن اثرات بھی دیکھنے میں آئے ہیں جیسے عملی، اسلامی عقائد میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، صوفیاء کے کلام کے غلط مطالب اخذ کرنا، غیر علمی رویہ اپنانا (جبکہ صوفیاء اس کے برعکس علمی طور پر کامل تھے) اور شعائر اسلام کا مذاق وغیرہ

۵۔ نتیجہ بحث:

صوفیاء کی تعلیم شریعت کے چشمہ صافی سے ماخوذ اور اس کی تشریح و تعبیر پر مبنی ہے جبکہ اس کے غلط معانی اختیار کرنے والوں اور اس سے بگاڑ پیدا کرنے والوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ جس طرح ملتِ اسلامیہ کے اندر کئی اور گروہ موجود ہیں جو اسلامی تعلیمات کی من مانی تعبیرات کرکے اسلام کی شکل معاذ اللہ بگاڑنے کی سعی لا حاصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے رہتے ہیں، ان کا شمار بھی ان لوگوں میں ہوتا ہے۔ چنانچہ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ جس جذبے اور محنت سے صوفیاء نے عوام الناس کی تربیت اور تطہیرِ افکار کا فریضہ سرانجام دیا اور اپنے اپنے انداز میں عوامی زبانوں میں لوگوں کے دلوں پر دستک دی، اسی طرح آج بھی تصوف کے ادارے کو فعال بنا کر معاشرے کو سدھارنے اور اسے صحیح سمت میں چلانے کا کام لیا جا سکتا ہے اور یوں اقوام دنیا میں اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کیا جا سکتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) محمد آصف خان، پنجابی زبان دا وچھوکڑ درنصاب بی اے، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

۲۔ قریشی، عبدالغفور، پنجابی ادب دی کہانی، پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، ص: ۱۸، 19

رزاق شاہد، پنجابی دا جانگلی لہجہ (اصل تے قدیم پنجابی)، تماہی مہکاں انٹرنیشنل، ساہیوال، شمارہ نمبر ۱۷ جلد ۵ اپریل تا جون ۲۰۰۹ء، ص ۱۸ تا ۲۷

(۲) ۱۔ گزیٹئر آف ساہیوال ۸۵۔۷۔۸۵۷ بحوالہ کال بلیندی ازاے ڈی اعجاز، پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، ص ۸۲ تا ۱۰۹

۲۔ رزاق شاہد، پنجابی دا جانگلی لہجہ (اصل تے قدیم پنجابی)، تماہی مہکاں انٹرنیشنل، ساہیوال، شمارہ نمبر ۱۷ جلد ۵ اپریل تا جون ۲۰۰۹ء، ص ۱۸ تا ۲۷

(۳) ابن خلدون، علامہ عبدالرحمٰن، مقدمہ ابن خلدون (اردو ترجمہ مولانا راغب رحمانی، دہلوی) نفیس اکیڈمی، کراچی، ج: ۱، ص: ۳۳۱-۳۵۰

(۴) ۱۔ ابوالفضل، علامہ، آئینِ اکبریؒ، (ترجمہ مولوی محمد فدا علی طالب) سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ج: ۱، ص ۵۸۷ تا ۱۱۲۲، ج: ۲ ص: ۹۸

۲۔ توزک جہانگیری، (اردو ترجمہ اعجاز الحق قدوسی)، مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، لاہور، ج: 1 ص: ۲۵۱، ۲۹۸

۳۔ پنجابی ادب دی کہانی، ص: ۱۷

(۵) پنجابی ادب دی کہانی، ص: ۱۸، ۲۹۲۸

(۶) ایضاً

(۷) رزمی، خادم حسین، من ورتی، سرائیکی ادبی بورڈ، ملتان، ص: ۱۱

(۸) پنجابی ادب دی کہانی، ص ۲۵۸؛ پاکستان کے صوفی شعراء اکادمی ادبیات پاکستان، ص ۱۳۳

ممتاز بلوچ، ھودے بیت، کلام تے حیاتی حضرت سلطان باھوؒ، سانجھ، لاہور، ص ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۹) حضرت سلطان باھوؒ، رسالہ رُوحی، شبیر برادرز اردو بازار لاہور، ب ت

(۱۰) اقبال صلاح الدین (مرتب) لعلاں دی پنڈ، ص ۵۰۴۔

(۱۱) مثلاً شاہ ولی اللہؒ، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور دیگر کئی بزرگ

(۱۲) سید اولاد علی گیلانی، اولیائے ملتان، ص ۲۴۹

(۱۳) ڈاکٹر لاجونتی کرشن رام، پنجابی دے صوفی شاعر، پنجابی ترجمہ، ص ۱۷، (حاشیہ)

(۱۴) سلطان حامد، مناقب سلطانی، اردو ترجمہ، ص ۳۳-۴۴۔

(۱۵) سلطان باہو محکم الفقراء خورد، اردو ترجمہ اللہ والے تاجر کتب ملک چنن دین، لاہور، ص ۱۸،

(۱۶) ایضاً ۴۵۔

(۱۷) محمد اقبال محمد، ابیات حضرت سلطان باہو، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز اردو بازار لاہور، ص ۱۲۶۔ سلطان باہو، الطاف علی، ابیات باہو، ص

(۱۸) سلطان باہوؒ گنج الاسرار، اردو ترجمہ، ص ۳

(۱۹) محمد اقبال محمد، ابیات حضرت سلطان باہو، ص ۲۰۱

(۲۰) ایضاً، ص ۲۰۲

(۲۱) ایضاً، ص ۲۰۳

(۲۲) قاضی جاوید، پنجاب کے صوفی دانشور، فکشن ہاؤس لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۱۵۱

(۲۳) سلطان باہو محکم الفقراء خورد، اردو ترجمہ، ص ۲۹

(۲۴) ایضاً، ص ۲۳، ۲۴

(۲۵) ایضاً

(۲۶) اقبال محمد اقبال، ابیات باہو، ص ۸۸، ۱۲۰، ۱۲۲، ۱۳۷، ۱۵۵، ۲۰۴ -

(۲۷) سلطان باہو، کلید التوحید کلاں، اردو ترجمہ، ص ۳۷۔

(۲۸) سلطان باہو، عین الفقراء، اردو ترجمہ، ص ۴۵۔

(۲۹) سلطان باہو، کشف الاسرار، اردو ترجمہ، ص ۱۶۔

(۳۰) سلطان باہو، بیدار، اردو ترجمہ، ص ۵۵-۵۶۔

(۳۱) ایضاً، ص ۵۶

(۳۲) سلطان باہو، توفیق ہدایت، اردو ترجمہ، ص ۸۔

(۳۳) سلطان باہو، حجت الاسرار، اردو ترجمہ، ص ۱۷۔

(۳۴) سلطان باہو، کلید التوحید کلاں، اردو ترجمہ، ص ۲۵۷-۲۵۸۔

(۳۵) سلطان باہو، الطاف علی، ابیات باہو، ص ۱۶۵۔

(۳۶) ایضاً، ص ۲۹۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳۷) سلطان باہو، حجت الاسرار، ص۱۲۔

(۳۸) ایضاً، ص۱۳۔

(۳۹) ایضاً، ص۱۳۔

(۴۰) سلطان باہو، کلید التوحید کلاں، ص ۷۔

(۴۱) سلطان باہو، عین الفقراء، ص ۷۵۔

(۴۲) سلطان باہو، کلید التوحید کلاں، ص۱۰۔

(۴۳) ایضاً، ص۱۹۰۔

(۴۴) سلطان باہو، التوحید کلاں، ص۱۷۵۔

(۴۵) قاضی جاوید، پنجاب کے صوفی دانشور، ص۱۴۵-۱۶۵

(۴۶) محمد اقبال محمد، ابیاتِ باہو، ص۱۵ - ممتاز بلوچ، ھودے بیت، سانجھ، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص۱۷۹

(۴۷) محمد اقبال محمد، ابیاتِ باہو، ص۶۶، ممتاز بلوچ، ھودے بیت، ص۲۰۳

(۴۸) محمد اقبال محمد، ابیاتِ باہو، ص۶۲، ممتاز بلوچ، ھودے بیت، ص۲۰۳

(۴۹) بخاری، سید تنویر، اسلامی اخلاق و تصوف، ایور نیو بک پیلس اردو بازار، لاہور، ص۱۵۰، ۱۵۱

(۵۰) محمد اقبال محمد، ابیاتِ باہو، ص۸۳، ممتاز بلوچ، ھودے بیت، ص۲۰۹

(۵۱) سورۃ الجمعۃ ۶۲:۵

(۵۲) سورۃ البقرہ ۲:۴۱

(۵۳) سورۃ آل عمران ۳

(۵۴) محمد اقبال محمد، ابیاتِ باہو، ص۹۳، ممتاز بلوچ، ھودے بیت، ص۲۱۹

(۵۵) محمد اقبال محمد، ابیاتِ باہو، ص۹۱، ممتاز بلوچ، ھودے بیت، ص۲۱۹

(۵۶) محمد اقبال محمد، ابیاتِ باہو، ص ۱۹۷

(۵۷) محمد اقبال محمد، ابیاتِ باہو، ص۹۵، ممتاز بلوچ، ھودے بیت، ص۲۲۴

(۵۸) محمد اقبال محمد، ابیاتِ باہو، ص۱۳۸، ممتاز بلوچ، ھودے بیت، ص۲۸۲

(۵۹) صفوری، حاجی محمد، صاحبزادہ، سسی پنوں، مرتب: صاحبزادہ محمد یوسف طاہر ایم اے، آئینہ ادب چوک مینار انار کلی لاہور، ۱۹۷۲ء، ص ۱۷

(۶۰) طاہر، محمد یوسف، صاحبزادہ، مقدمہ سسی پنوں از حاجی محمد صفوریؒ، ص ۱۷، ۱۸

(۶۱) ایضاً، ص ۱۸، ۱۹

(۶۲) صفوری، حاجی محمد، صاحبزادہ، سسی پنوں، ص ۳۳

(۶۳) ایضاً، ص ۳۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۶۴) ایضاً،ص۳۹

(۶۵) ایضاً،ص۴۱

(۶۶) ایضاً،ص۴۴

(۶۷) ایضاً،ص۴۶

(۶۸) ایضاً،ص۵۱

(۶۹) ایضاً،ص۵۲

(۷۰) ایضاً،ص۵۱،۵۲

(۷۱) ایضاً،ص۲۶۴

(۷۲) ایضاً،ص۵۸

(۷۳) ایضاً،ص۲۶۶

(۷۴) ایضاً

(۷۵) چونواں پنجابی ادب،تاج بک ڈپو،اردو بازار لاہور،ت ن،ص۱۹۷

© rasailojaraid.com